ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۱۰/۱، ۲ جنوری - دسمبر ۱۹۹۵ء

تفسیری لٹریچر میں معاشی افکار

ایک عمومی جائزہ

عبدالعظیم اصلاحی

تفاسیر میں مفسرین اور ان کے عہد کی عکاسی

اسلامی افکار کے ارتقاء کے مختلف مراحل سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے قرآنی تفاسیر ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسلامی ادب کے اس قیمتی ذخیرہ میں، ہمیں بالعموم مختلف ادوار کی علمی، دینی، سیاسی، معاشی اور سماجی تحریکات و کیفیات کے تذکرے بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ فطری طور پر تفاسیر بالعموم مفسر کی شخصیت اور اس کے عہد کی عکاس ہوتی ہیں چنانچہ جن مفسرین کو فقہ یا حدیث یا فلسفہ و علم کلام یا قواعد لغت اور علم المعانی و علم البدیع یا زہد و تصوف جیسے علوم سے شغف رہا ہے۔ ان کی تفسیروں میں ان رجحانات کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔ اسی طرح جو تفاسیر دور اجتہاد یا غلبۂ تقلید، مستحکم خلافت یا طوائف الملوکی، علمی ترقی یا معاشی نظریات کی بالادستی کے دور میں لکھی گئیں ان میں ان حالات کا واضح پرتو نظر آتا ہے۔

اسلامی معاشی فکر کی تاریخ میں تفسیری ادب کو بحیثیت ایک ماخذ کے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بہت سے تفصیلی معاشی احکام کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً سود کی ممانعت، زکاۃ کی فرضیت، اس کے مستحقین کی نشاندہی، وراثت کی تفصیلات فئی و غنائم کی تقسیمات، مالی کفارات، قرض کا لین دین وغیرہ۔ اسی طرح قرآن مجید میں کچھ بنیادی معاشی اصول بھی فراہم کئے گئے ہیں۔ مثلاً فضول خرچی کی ممانعت، بخل کی مذمت، کنز پر وعید، میانہ روی کی تعریف، انفاق پر زور، تجارت کی مشروعیت، عدل و احسان اور صدق و امانت کی تاکید، کذب و خیانت اور باطل طریقوں سے مال کھانے کی حرمت وغیرہ۔ ان کے علاوہ قرآن مجید

میں بہت سے ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جنھیں معاشیات کے کلیدی الفاظ کی حیثیت حاصل ہے ان وجوہ کی بنا پر تفاسیر میں معاشی امور سے متعلق مباحث کا پایا جانا عین فطری ہے، لیکن ابھی اس حیثیت سے تفسیری ذخیرے کا بہت کم ہی جائزہ لیا گیا ہے[۱]۔ پیش نظر مضمون اس سلسلہ کی ایک ابتدائی کوشش ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں معاشی ترقی کی دعوت و جدوجہد ایک تحریک بن کر سامنے آئی ہے جس کی وجہ سے علماء اسلام کو بہت سے اقتصادی مسائل اور ان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ اس صدی میں لکھی جانے والی اکثر تفسیروں میں اس طرف خصوصی طور پر توجہ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سید قطبؒ کی فی ظلال القرآن، مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تفسیر ترجمان القرآن، مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی معارف القرآن، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے اس نقطۂ نظر سے بیسویں صدی کی تفسیروں کے مستقل اور بھرپور تجزیہ کی ضرورت ہے جس کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے، اس لئے یہاں ہم اپنی بحث کو قدماء کی چند منتخب عربی تفاسیر تک محدود رکھیں گے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱۔ ابوالحسن علی بن حبیب الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) صاحب النکت والعیون چار جلدیں
۲۔ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) صاحب زاد المسیر فی علم التفسیر، نو جلدیں
۳۔ محمد فخر الدین الرازی (متوفی ۶۰۶ھ) صاحب التفسیر الکبیر، آٹھ جلدیں
۴۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) صاحب الجامع لاحکام القرآن، ۲۰ جلدیں
۵۔ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) صاحب تفسیر القرآن مجید، ۴ جلدیں

قرآنی معاشی فکر کے مطالعہ کا صحیح زاویۂ نظر

پیش نظر مضمون کے مطالعہ میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ جدید معاشی نظریات کے دائرۂ کار

میں رہ کر اور اس کے اصول وقواعد کے مطابق قرآنی معاشی فکر کا مطالعہ کرنا اصولی طور پر درست نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے معاشی نظریات کے برخلاف معاش اسلام کے مکمل نظام حیات کا صرف ایک حصہ ہے اور اسے کل کی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اسلام کا اپنا فلسفۂ زندگی اور نظام اقدار ہے جس پر اس کے معاشی فکر کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اس کے لئے سازوسامان اسلام کے اولین مآخذ میں موجود تفصیلی معاشی احکام اور اجمالی اصولوں سے فراہم ہوتے ہیں۔ اس ضروری تمہید کے بعد ہم ان معاشی تصورات کا مطالعہ کریں گے جو مفسرین کرام کے نتیجہ فکر یا قرآنی معاشیات کی تفسیر کے طور پر مذکورہ بالا مختلف تفاسیر میں پائے جاتے ہیں۔

معاش سے معاد تک

قرآن مجید معاشیات کی کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ نوع انسانی کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اس میں معاشی حقائق کا ذکر عموماً اس مناسبت سے آتا ہے کہ وہ کس طرح دنیا میں عدل پر مبنی معاشرہ اور آخرت میں ابدی کامیابی کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً قرآن میں عملِ پیداوار کا بار بار ذکر ہوتا ہے جس سے ایک انسان کو یہ یاد دلانا مقصود ہوتا ہے کہ تمہاری مادی کوششوں اور پیداوار کے معلوم عناصر کے علاوہ ایک غیر مرئی عامل حقیقی بھی ہے اور اگر اس کی یاوری نہ ہو تو ساری کوششوں کے باوجود کچھ حاصل نہ ہو اس لئے اپنی پیداوار میں اس کے حق کو پہچانو۔ اس عملِ پیداوار سے دوسری طرف خود انسان کے خلق اول اور خلق بعد الممات کی حقیقت سمجھائی جاتی ہے۔[۲۲]

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ	اور اس نے آسمان سے پانی اتارا جس سے تمہارے
بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ	سے تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے۔

(سورۃ البقرہ آیت: ۲۲، سورہ ابراہیم آیت: ۲۲)

کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ پھلوں کو بغیر کسی وسیلہ کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے کہ ان کی تخلیق کے لئے ایک خاص مدت اور اتنے وسائل درکار ہوں"۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ اصلاً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہے فیصلہ کرتا ہے لیکن اہل علم نے اس کی بہت سی حکمتیں بیان کی ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش حالی کو ایک خاص ترتیب و تدریج کے ساتھ اس لئے عطا کرتا ہے کہ جب لوگ کھیتی باڑی میں محنت و مشقت کریں گے اور اس کے لئے ایک حال سے دوسرے حال میں اپنے آپ کو تھکائیں گے تو ان پر یہ حقیقت واشگاف ہوگی کہ جب ان دنیاوی فوائد کے لئے اتنی زحمت اٹھانی پڑتی ہے تو اس سے کہیں اعلیٰ وارفع آخرت کے فوائد کے لئے زحمت برداشت کرنا بدرجہ اولیٰ سزاوار ہے"[۴۳]

تقویٰ اور دینداری کے معاشی نتائج

"اہلِ کتاب کے بارے میں سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا ہے کہ "کاش انھوں نے توریت اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں تو ان کے لئے ان کے اوپر سے رزق برستا اور ان کے قدموں کے نیچے سے ابلتا" (سورۃ المائدہ: ۶۶) علامہ ابن الجوزیؒ نے اس پر یہ نوٹ لگایا ہے کہ "تقویٰ رزق میں کشادگی کا سبب بنتا ہے، اس کی تائید سورۃ الاعراف آیت ۹۶ اور سورۃ الطلاق آیت ۲ سے بھی ہوتی ہے"[۴۴]

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ پاک رزق کھائیں اور اس کا شکر بجا لائیں۔ اکل حلال سے عبادات اور دعائیں قبول ہوتی ہیں جب کہ اکل حرام سے دعا و عبادت کی قبولیت رک جاتی ہے"[۴۵]

اسی طرح سورہ نوح میں ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ
كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ
عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ
بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ
جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝
(سورۂ نوح: ۱۰-۱۲)

میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تو وہ آسمان سے تم پر خوب بارشیں برسائے گا۔ اور تمہیں مال و اولاد سے نوازے گا۔ تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا اور نہریں جاری کرے گا۔

اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو اور اس سے مغفرت چاہو اور اطاعت کرو تو تم پر رزق کی کثرت ہوگی اور وہ تمہیں ایسے باغات سے نوازے گا جن میں انواع و اقسام کے پھل ہوں گے اور ان کے درمیان سے نہریں بہتی ہوں گی۔[۴۷]

مذکورہ بالا نکات دراصل اسلامی معاشیات کے خدوخال کو پیش کرتے ہیں جہاں روحانیت و مادیت، معاش و معاد اور عبادت و معیشت کا بہترین امتزاج پایا جاتا ہے۔

معصیت سے نابرکتی

اگر تقویٰ کے بہتر معاشی نتائج ظاہر ہوتے ہیں تو کفر و سرکشی سے سلب نعمت اور معاشی زوال مقرر ہوتا ہے:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ	اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا
مَعِيشَتَهَا (سورۃ القصص: ۵۸)	جنھیں اپنی معیشت پر بڑا ناز تھا۔

کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں "اہل مکہ پر نعمتوں اور احسانات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ان گذشتہ قوموں کا ذکر کرتا ہے جو دنیاوی نعمتوں سے بہرہ ور تھیں لیکن جب انھوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تو ان کی نعمتوں کو اللہ نے ان سے چھین لیا۔"[۴۸]

اسی طرح سورۃ الروم کی آیت: ۴۱

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا	خشکی و تری میں بگاڑ برپا ہو گیا
كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ	بہ سبب اس کے جو لوگوں نے کمایا ہے۔

کی تفسیر میں الماوردیؒ نے امام سدیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بہ سبب ان کے گناہوں اور غلطیوں کے ہوگا۔"[۴۹]

دنیاوی مال ومتاع تقویٰ کا معیار نہیں

اسی کے ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ مال و دولت کی کثرت اس بات کا ہرگز ثبوت نہیں ہے کہ آدمی بڑا برگزیدہ و خدارسیدہ ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت:

إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿ (آل عمران: ۳۷) — جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔

کی تشریح میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ دنیا میں جس پر چاہتا ہے بخشش کرتا ہے بغیر بتائے ہوئے کہ پانے والا حق پر ہے یا باطل پر، نیکوکار ہے یا بدعمل۔ عطا کا تعلق تو محض مشیت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قارون پر دنیا وسیع کر دی اور حضرت ایوبؑ پر تنگ کر دیا۔۔۔۔۔۔ کافر کو کشادگی کبھی کبھی قانون استدراج کے تحت دی جاتی ہے۔ اور مومن کو مزید ابتلا، وآزمائش کے لئے تنگی میں ڈالا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورہ زخرف میں فرمادیا ہے کہ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک جیسے (کافر) بن جائیں گے تو اللہ کے نافرمانوں کی چھتوں کو ہم چاندی کا بنا دیتے۔ (سورہ زخرف: ۳۳)[۵]

ندرت نہیں، قدرت

جدید معاشیات کا ایک اہم مفروضہ قلت SCARCITY ہے جس کے لئے جدید عربی اصطلاح میں 'ندرۃ' کا لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی وسائل اور سازوسامان حاجات کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اور اسی لئے پیداوار کا عمل لازم ہے۔ اس نظریہ کے برخلاف قرآنی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس نے یہ خزانے ہماری نظروں سے پوشیدہ کر رکھے ہیں، اور ایک خاص اندازے کے مطابق اس میں سے نازل کرتا رہتا ہے۔ اصل چیز ان خزانوں کے حصول کے لئے جدوجہد اور محنت ہے۔ امام رازی کے بقول اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے المقیت کے معنی یہی ہیں کہ وہ ذات جو بقدر ضرورت چیزوں کو عطا کرتی رہتی ہے[۶]

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ ۔۔۔۔ اِلٰی ۔۔۔۔ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ (الشوریٰ: ۲۷) — (اگر اللہ اپنے بندوں پر کھلا رزق دیتا تو وہ زمین پر سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے مگر وہ ایک حساب سے جتنا چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔

کی تفسیر میں علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے امر کو اپنی مشیت کے ایک اندازے کے ساتھ اتارتا ہے جو لوگوں کے مناسب حال ہو اور ان کو سرکش نہ بنادے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے اور ان سے اچھی طرح باخبر ہے۔ پس کچھ لوگوں کو مالداری راس آتی ہے اور کچھ لوگوں کو فقر سازگار ہوتا ہے[11]

خرج وخراج

قرآن پاک میں یہ دو الفاظ یکجا اور الگ الگ بھی آئے ہیں۔ مفسرین کے ذریعہ ان کی تفصیل سے اسلامی حکومت کے دو اہم ذرائع آمدنی کے بارے میں معلومات ہوتی ہیں۔ الماوردیؒ کے مطابق اس کی تفسیر سے متعلق تین اقوال ہیں:

اول: خراج کے معنی غلہ اور خرج کے معنی اجرت کے ہیں۔

دوم: خراج کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو زمین سے نکلتا ہے اور خرج جو اشخاص سے وصول ہوتا ہے۔

سوم: خرج اس محصول کو کہتے ہیں جو صرف ایک بار لیا جاتا ہے اور خراج ہر سال وصول کیا جانے والا ایک دوامی ٹیکس ہے[12]

انفاق واخلاف

امام رازیؒ کے مطابق سورہ سبا کی آیت:

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَهُوَ يُخۡلِفُهٗ (سبا: ۳۹)	اور جو بھی تم خرچ کرتے ہو اس کے بدلے میں وہ تم کو اور دیتا ہے۔

اس حدیث کی معنوی تائید کرتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے:

اللھم منفقاً خلفاً	اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا کر۔

اور دوسرا کہتا ہے:

اللھم ممسکا تلفا — اے اللہ بخل کرنے والے کو تباہی سے دوچار کر۔ (متفق علیہ)

چونکہ اللہ تعالیٰ بادشاہ بالا و برتر ہے اور وہ غنی و مغنی ہے اسی لئے جب وہ کہتا ہے کہ خرچ کرو اس کا بدل میرے ذمہ ہے تو اس وعدہ کی بنا پر یہ چیز اس پر لازم ہو جاتی ہے جیسے کوئی کہے کہ سمندر میں اپنی پونجی پھینک دو میرے اوپر اس کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ جس نے خرچ کر دیا اس نے حصول بدل کی شرط پوری کر دی، سو اس کو بدل حاصل ہوگا۔ اور جو شخص خرچ نہیں کرتا، زوال اس کا مقدر ہوگا۔ جب اس نے وہ کام نہیں کیا جس پر بدل کا مستحق ہوتا تو اس کو بدل نصیب نہیں ہوگا یعنی اس کا ضیاع ہوگا۔

جب کسی تاجر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مال ہلاک ہونے والا ہے تو وہ اسے ادھار بھی فروخت کر دیتا ہے خواہ اس وقت وہ محتاج ہو، کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ ادھار بھی نکال دینا اس کو ہلاکت کے لئے چھوڑ دینے سے بہتر ہے، اگر وہ نہ بیچے اور مال ہلاک ہو جائے تو کہیں گے کہ اس نے غلطی کی۔ پھر اگر کوئی بھروسہ کا کفالت لینے والا بھی مل جائے تو بھی نہ بیچے تو اسے کم عقل ٹھہرائیں گے۔ اس پر مزید اگر اسے رہن حاصل ہو جائے اور کوئی دستاویز بھی لکھ دے پھر بھی نہ بیچے تو پاگل ہی کہیں گے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ آج ہر شخص یہی کرتا ہے اور اسے شعور نہیں ہوتا کہ اس کا رویہ پاگل پن کے سوا کچھ بھی نہیں ہمارا سارے کا سارا مال زائل ہو جانے والا ہے بال بچوں پر خرچ بھی قرض دینے کی طرح ہے اور اس کی واپسی کی ضمانت ایک باوثوق ذات یعنی خداوند تعالیٰ نے دے رکھی ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے:

"جو بھی تم خرچ کرو گے وہ اس کو پورا کر دے گا" پھر اس نے ہر شخص کے پاس زمین، جائداد، ہل، مکان، اور دوسرے ذرائع منفعت بطور رہن بھی رکھ چھوڑے ہیں، ہر انسان کے پاس کوئی صنعت یا کوئی نہ کوئی ذریعہ آمدنی ہوتا ہے اور یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں جس نے انسان کے ہاتھ میں انہیں عاریت کے طور پر دے رکھا ہے۔ گویا اس کو رزق پہنچانے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کفالت لی گئی ہے۔ اس کو پختہ کرنے کے لئے یہ چیزیں اس

کے پاس رہن رکھی ہوئی ہیں۔ لیکن انسان ان سب کے باوجود خرچ نہیں کرتا اور اپنے مال کو چھوڑ رکھتا ہے کہ بلا کسی اجر و ثواب کے ضائع ہو۔"[۱۳]

مذکورہ بالا تفسیر میں امام رازی نے اسلام میں مال و دولت کی حیثیت اور انفاق کی ضرورت پر زور دیا ہے جو پیش نظر آیت کا مقصود بھی ہے اور معاشی ترقی کو جاری رکھنے کے لئے ضروری بھی۔

فقرا، کی نسبت اسلامی وغیر اسلامی رویہ

سورہ یٰسین کی آیت:

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ (یٰسین: ۴۷) کیا ہم انھیں کھلائیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلاتا۔"

کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن الجوزی فقرا، کی نسبت اسلامی وغیر اسلامی رویہ کے فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ (کفار) کہتے تھے کہ "ان (فقرا) کو اللہ کھلانا چاہتا تو خود رزق مہیا کرتا ہم تو ان کے سلسلہ میں اللہ کی مشیت کی پیروی کرتے ہیں کہ انھیں کھلاتے نہیں"؛ درحقیقت یہ ان کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو مال دار اور بعض کو فقیر بنایا ہے تا کہ مالداروں کا فقرا، کے ذریعہ امتحان لے کہ ان کے مال میں جو زکاۃ فرض ہے وہ اس کی کہاں تک ادائیگی کرتے ہیں۔ مومن کا رویہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتراض کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے تقاضے کو پورا کرتا ہے۔"[۱۴]

معاشی سرگرمیاں للّٰہیت اور توکّل کے خلاف نہیں ہیں

کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض تھا کہ "یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے" اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے رسول! آپ سے پہلے بھی جن رسولوں کو ہم نے بھیجا وہ کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے"۔ سورۃ

الفرقان: ۴۰) علامہ قرطبیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اسباب و وسائل کو اپنانے اور تجارت و صنعت وغیرہ سے روزی کمانے کے سلسلہ میں یہ آیت اصل کی حیثیت رکھتی ہے[۱۵] علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں" رسول بازاروں میں تجارت اور کمانے کے لئے چلتے پھرتے تھے اور یہ چیز ان کے رتبے کے منافی نہیں ہے، ان کی صداقت کے لئے ان کے اخلاق و عادات حسنہ اور صفات جمیلہ کو معیار بنانا چاہیے[۱۶]

اسی طرح آیت

فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا (الملک: ۱۵) سو اس کی پگڈنڈیوں میں چلو

کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ زمین کے مختلف حصوں اور علاقوں میں کسب و تجارت کے لئے سفر کرو لیکن یہ کوشش بار آور نہیں ہو سکتی جب تک توفیق ایزدی شامل حال نہ ہو اسباب کو اپنانا توکل کے خلاف ہرگز نہیں ہے[۱۷] اسلام کا یہ پہلو بھی اسلامی معاشیات کو رہبانی معیشت سے ممتاز کرتا ہے۔

پس اندازی توکل کے خلاف نہیں

سورۃ الکہف کی آیت

فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ ۔۔۔ (الکہف: ۱۹) سو بھیجو اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے یہ سکے دے کر۔۔۔

کے ذیل میں امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ توشۂ زندگی کو روک رکھنے کی سعی ایک اہم شرعی ضرورت ہے، جو توکل کے منافی نہیں ہے[۱۸]

اسلام میں تجارت وعبادت دونوں ساتھ ساتھ انجام پا سکتی ہیں

قرآن پاک میں جگہ جگہ اِبْتِغَاءَ فَضْلِ اللهِ (اللہ تعالیٰ کے فضل کی تلاش) کا حکم آیا ہے۔ ان کی شرح میں امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ابتغاء الفضل تجارت کے معنی میں آیا ہے۔۔۔ اس پر امام بخاریؒ کی یہ حدیث ہے کہ عکاظ، مجنہ اور ذو المجاز جاہلیت کے بازار تھے۔ انھوں

نے موسم حج میں تجارت کو گناہ سمجھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا	کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ	فضل تلاش کرو (یعنی حج کے ایام میں)

اس سے یہ بات ثابت ہے کہ حاجیوں کے لئے ایام حج میں عبادت کے ساتھ ساتھ تجارت بھی جائز ہے[19]۔

اچھے اجیر کی صفات

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ	بے شک بہتر شخص جس کو تم مزدوری
الْاَمِيْنُ (القصص: ۲۶)	پر رکھو وہ ہے جو طاقتور اور امانتدار ہو۔

اس آیت سے استنباط کر کے قوت و امانت داری کو اچھے عامل کی صفات قرار دیتے ہوئے علامہ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں "اپنے کام پر لگانے کے لئے بہترین شخص وہ ہے جو اس کام کے کرنے پر قادر ہو اور پوری امانت داری سے کرے"[20]۔

اجرت مثل یا اکل بالمعروف

وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ	اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق
بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: ٦)	کھائے

اس آیت کے بارے میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت یتیم کے سرپرست کے بارے میں آئی ہے جو اس کی خبر گیری اور اس کی بہتری کے لئے کام کرتا ہے کہ اگر محتاج ہو تو اس میں سے کھا سکتا ہے۔ فقہاء کے مطابق اجرۃ مثل یا اپنی ضرورت دونوں میں سے جو کمتر ہو اس کے مطابق کھائے[21]۔

اسی طرح امام الماوردیؒ آیت:

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ	ان عورتوں کا روزینہ اور پوشش
بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ: ۲۳۳)	دستور کے مطابق ہو۔

کے سلسلہ میں امام ضحاک کا قول نقل کرتے ہیں کہ بالمعروف سے مراد اجرۃ مثل ہے۔[۲۲]

ملکیت میں تصرّف پر روک

شخصی ملکیت کے جواز اور حق کو تسلیم کرنے کے باوجود اسلام بے قید ملکیت کے خلاف ہے اور اس میں تصرف پر بعض حالات میں قدغن لگا دیتا ہے مثلاً کم عقلی پر مبنی تصرف۔ آیت حجر: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا۔۔۔۔ (النساء: ۵) کی تشریح میں علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "اللہ نے سفہا، کو ان مالوں میں تصرف کرنے کا اختیار دینے سے روک دیا ہے جن پر لوگوں کی معیشت کا دارو مدار ہوتا ہے۔ یعنی ان پر ان کی تجارت وغیرہ منحصر ہوتی ہے۔ یہی چیز سفہا، پر حجر (روک، پابندی) عائد کرنے کی بنیاد ہے۔ کبھی حجر صغر سنی کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ کم سن کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، کبھی حجر جنون کی وجہ سے اور کبھی کم عقلی یا بے دینی پر مبنی تصرف کی وجہ سے۔ اور کبھی افلاس کی وجہ سے، یعنی جب آدمی قرضے میں گھر جائے اور اس کا مال اس کی ادائیگی سے قاصر ہو۔ اس شکل میں اگر قرض خواہ حاکم وقت سے مطالبہ کرے تو وہ اس پر حجر عائد کر سکتا ہے۔[۲۳]

وراثت کی تقسیم

آیت المواریث کی تفصیل میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں عدل کا حکم دیتا ہے اہلِ جاہلیت پورے کا پورا ترکہ اولاد ذکور کو دیتے تھے اور اولاد اناث کو محروم کر دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اصل میراث میں دونوں کو برابر رکھا ہے اور اولاد ذکور کو دو اولاد اناث کے برابر حصہ دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نان و نفقہ کی ذمہ داری، ملازمت و تجارت کی مشقت برداری اور دوسری زحمتوں کے برداشت کرنے کے سبب مرد اس کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب ہوا کہ اس کو دو اناث کے حصوں کے برابر دیا جائے۔[۲۴]

بیرونی تجارت کی بنیاد

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا... الخ (السجدہ: ۱۰)	اور اس کے اندر (ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق) ٹھیک اندازے سے روزی کا سامان مہیا کر دیا۔

کی ایک تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر خطہ کو ایک خصوصیت عطا کی ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ مثلاً یمنی کپڑے یمن ہی میں اچھے بنتے ہیں اور ہروی کپڑے ہرات میں، تاکہ اس طرح ایک دوسرے سے تجارت کے ذریعہ سب کی گذر بسر ہو، اس طرح اللہ تعالیٰ نے گیہوں کے لئے کوئی ایک سرزمین اور کھجور کے لئے کوئی دوسری، اور مکئی کے لئے کسی اور جگہ کو سازگار بنایا ہے۔[۲۵]

بین الاقوامی تجارت کی طرف اشارہ

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ (الفاطر: ۱۲)	اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں اس کا سینہ چیرتی چلی جاتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔

میں ابن کثیرؒ کے مطابق بین الاقوامی تجارت کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس پر کشتی رانی ہو اور اس کے فضل کی تلاش میں یعنی تجارت و ملازمت کے لئے لوگ سفر کریں اور دور دراز ملکوں سے حصول نفع پر اس کا شکر ادا کریں۔[۲۶]

بنیادی صنعتوں کے لئے فولاد ریڑھ کی ہڈی ہے

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید: ۲۵)	اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑی طاقت اور لوگوں کے لئے منفعت ہے۔

کی تفسیر میں امام رازی رقم طراز ہیں:

"وہ سرگرمیاں جن پر مصالح عالم کا دار و مدار ہے کچھ اصل کی حیثیت رکھتی ہیں اور کچھ فروع کی۔ بنیادی صنعتیں چار ہیں: کاشت کاری، پارچہ بافی، تعمیرات اور جہانبانی یا سلطنت، کیونکہ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانا، پہننے کے لئے کپڑے، اور رہنے کے لئے مکان چاہئے۔ پھر انسان فطرۃً یک شہری زندگی (یہاں شہری کا لفظ دیہاتی کے بالمقابل نہیں بلکہ جنگلی کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے) چاہتا ہے۔ یہ مصلحت اپنے ہم جنسوں کے ساتھ اکٹھا معاشرت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جس میں ہر شخص ایک خاص کام انجام دے خواہ اس میں باہم کشمکش کی صورت حال پیدا ہو۔ چنانچہ اس کے لئے کسی ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو ایک دوسرے کے ظلم و زیادتی سے روک سکے وہی صاحبِ اقتدار ہوتا ہے۔ اس طرح سب کے مصالح کا دار و مدار مذکورہ بالا چار بنیادی اعمال پر ہے۔ کھیتی کے مختلف مراحل، جتائی، بوائی، کٹائی، صفائی، پسائی اور پکوائی ہر جگہ لوہے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کپڑوں کے لئے پارچہ بافی کے آلات، کٹائی، سلائی، سبھی میں حدید کی ضرورت پڑتی ہے۔ تعمیرات کا حال بھی واضح ہے کہ اس میں لوہے کے بغیر کام نہیں چلتا۔ جہاں تک حکمرانی کا تعلق ہے تو اس کے قیام اور تکمیل کے لئے فولاد کی ضرورت سے سبھی واقف ہیں۔[۵۲]

زکاۃ کی فرضیت

"اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو اپنی نعمت کی بارش کرتے ہوئے مال و دولت سے نوازا ہے۔ جب کہ کچھ محروم ہیں۔ مالداروں پر اس نعمت کے لئے اظہار تشکر کا یہ طریقہ قرار دیا کہ وہ اپنی دولت کا ایک حصہ ان کے لئے نکالیں جو بے مال ہیں اس رب العالمین کی طرف سے جس نے سب کا ذمہ لیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھود: ۶)	زمین پر ہر رینگنے والے کا رزق اللہ پر ہے

قرآن پاک میں جب صدقہ کا لفظ مطلق آتا ہے تو اس سے مراد زکاۃ ہوتی ہے[۵۳]

زکاۃ سب سے افضل مالی عبادت ہے

ارشاد باری:

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ	اور ہم نے انھیں وحی کے ذریعہ نیک کام
وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ	کرنے، نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے
(الانبیاء: ۷۳)	کی ہدایت کی

کے تحت امام رازیؒ اپنے پیش رو امام ابوالقاسم انصاری کا قول نقل کرتے ہیں کہ نماز جسمانی عبادات میں سب سے ممتاز ہے جسے اللہ کی یاد کے لئے قائم کیا گیا ہے، اور زکوۃ سب سے افضل مالی عبادت ہے۔ دونوں کا مقصد اللہ کی عظمت اور اس کی مخلوق پر شفقت و رحمت کرنا ہے[۲۹]

غارمین کون ہیں

قرضدار (جنھیں مستحقین زکاۃ میں شامل کیا گیا ہے) وہ لوگ ہیں جن پر ان کے قرض کی وجہ سے تاوان لازم ہو۔ ایسے لوگوں نے اگر اپنی ضرورت کے لئے قرض لیا ہو تو فقر کی شرط کے ساتھ انھیں زکاۃ دی جائے گی لیکن اگر انھوں نے عام مصالح کی خاطر قرض لیا ہے تو مالداری اور فقر دونوں حالتوں میں دیا جاسکتا ہے[۳۰]

معاملات قرض میں تحریر کی اہمیت

آیت دین:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب
تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى	آپس میں کسی متعین مدت کے لئے قرض
فَاكْتُبُوْهُ (البقرۃ: ۲۸۲)	کا معاملہ کرو تو لکھ لیا کرو۔

قرآن کی سب سے بڑی آیت ہے۔ اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ جب کوئی قرض کسی خاص مدت کے لئے ہو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے لکھنے اور اس پر

گواہ بنانے کا حکم مالوں کی حفاظت اور لوگوں کو ظلم سے بچانے کے لئے دیا ہے۔ کیونکہ جب کسی کے خلاف ثبوت موجود ہو تو اس کے دل میں مال ہڑپ کرنے کا خیال شاید ہی پیدا ہو۔[۳۱]

سود خوری اور ربا الجاہلیہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا
الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً	اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو۔

(آل عمران: ۱۳۰)

آیت کے بارے میں امام الماوردیؒ لکھتے ہیں کہ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (سود کھاتے ہیں) سے مراد ہے یَاْخُذُوْنَ الرِّبٰوا (سود لیتے ہیں) اخذ کے بدلے اکل اس لئے استعمال ہوا کہ عموماً اخذ اکل ہی کے لئے ہوتا ہے[۳۲]

ربا الجاہلیہ جس کی حرمت مذکورہ بالا آیت میں آئی ہے اور جس کی پامالی کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بھی فرمایا۔ اس کی تشریح میں امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اہل عرب ادھار سودا فروخت کرتے اور جب ادائیگی کا وقت آتا تو قیمت میں اضافہ کر دیتے اور اسے اور مہلت دیدیتے چنانچہ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سود میں عربوں کے یہاں مال کئی گنا ہو جاتا تھا۔ مطالبہ کرنے والا کہتا کہ ادا کرتے ہو یا اس پر اضافہ کردگے ؟ مضاعفہ میں اشارہ ہے اس کے کئی گنا ہونے کی طرف جو سال بہ سال وہ کرتے رہتے تھے۔ یہ تاکیدی عبارت ان کے اس سودی فعل کی قباحت و شناعت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسی لئے خاص طور پر تضعیف (مرکب در مرکب) کا ذکر کیا۔[۳۳]

حرمت ربا کے معاشی و اخلاقی اسباب

سود موجودہ معاشی نظام کی رگ و پے میں اس طرح رچا بسا ہے کہ اس کی خرابیوں کی طرف کم لوگوں کا ذہن جاتا ہے۔ اور آج بھی بہت سے لوگ اہل جاہلیت کے قول اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا کو دہراتے رہتے ہیں۔ امام رازیؒ نے آیاتِ ربا کی تفسیر میں ربا کی حرمت کے معاشی

واخلاقی اسباب پر روشنی ڈالی ہے جسے ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

اول: معاملہ سود میں ایک شخص کا مال بغیر کسی عوض کے لیا جاتا ہے کیونکہ جب کسی نے ایک درہم کا معاملہ ادھار دو درہم سے کیا تو بغیر کسی عوض کے ایک درہم زیادہ لیا۔ انسان کا مال اس کی حاجت برآری کے لئے ہے اور وہ نہایت محترم قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "انسان کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کی طرح ہے"۔ اس کی روایت ابونعیم نے حضرت ابن مسعودؓ سے الحلیہ میں "حرمة مال المسلم کحرمة دمه" کے الفاظ سے کی ہے۔ اس سے اس کا مال بغیر کسی عوض کے لینا حرام ٹھہرا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ زائد درہم لینا اس لئے جائز ہونا چاہئے کیونکہ راس المال اس کے ہاتھ میں ایک مدت تک رہا۔ وہ راس المال اگر صاحبِ مال کے ہاتھ میں رہتا تو ممکن ہے وہ اس سے تجارت کرتا اور نفع کماتا۔ اب جب اس نے قرضدار کے ہاتھ میں چھوڑا اور اس سے اس نے نفع کمایا تو یہ بات خلاف عقل نہیں ہے کہ اس کے مال سے نفع اٹھانے کے عوض وہ صاحبِ مال کو زائد درہم ادا کرے، اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ نفع کمانا جس کا آپ نے ذکر کیا ایک امر موہوم ہے جو حاصل بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی۔ لیکن اس پر زائد درہم کا لینا ایک یقینی امر ہے۔ اب ایک امر موہوم کی خاطر ایک یقینی چیز کو جائز ٹھہرالینا ضرر سے خالی نہیں ہے۔

دوم: بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ربا کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کو کاروبار کی محنت ومشقت سے روک دیتا ہے۔ یعنی جب صاحب مال کے لئے سودی معاملہ کے ذریعہ زائد روپیہ لینا نقد یا ادھار جائز ہوگا تو وہ محنت کر کے روزی کمانے کو اہمیت نہیں دے گا، اور نہ ہی وہ ملازمت، تجارت اور صنعت کی زحمت اٹھائے گا۔ اس سے مخلوق کی مصلحت کا خاتمہ ہو جائے گا، کیونکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اہل دنیا کے مصالح کا دار ومدار تجارت، مختلف پیشے صنعتوں کے قیام اور عمارتوں کی تعمیر پر ہے۔

سوم: یہ بھی کہا گیا ہے کہ سودی معاملہ کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ سود لوگوں کو قرض حسن دینے کی نیکی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اب سود منع ہے تو طبیعت آسانی سے قرض دینے اور لینے واپس لینے پر راضی ہوگی۔ اگر سود حلال ہوتا تو محتاج کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ چیز صاحب المال

کو اس سے ایک درہم کے بدلے دو درہم لینے پر اکساتی۔ جس سے ہمدردی، نیکی اور احسان کا خاتمہ ہو جاتا۔

چہارم: عام طور پر قرض دہندہ مالدار ہوتا ہے اور قرض خواہ غریب۔ سودی معاملہ کو جائز کرنا گویا مالدار کو غریب سے زائد مال لینے پر قابو عطا کرنا ہوتا، اور یہ چیز خدائے رحیم کی رحمت کے منافی ہے

پنجم: ربا کی حرمت نص سے ثابت ہے اور یہ ضروری نہیں کہ سارے احکام کی حکمت لوگوں کو معلوم ہو۔ سو ضروری ہے کہ سودی معاملہ کی حرمت قطعی رہے خواہ ہماری سمجھ میں نہ آئے۔[۴۲]

مذکورہ بالا تفسیر میں امام رازیؒ نے بعض نامعلوم مفکرین کی تجزیاتی رایوں کو جمع کیا ہے۔ اسلام نے تجارتی یا پیداواری قرض اور صرفی یا استہلاکی قرض میں کوئی فرق نہیں کیا ہے جس پر آج کل کافی زور دیا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی اس طرح کی بحثیں شروع ہو چکی تھیں چنانچہ مذکورہ بالا عبارت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ایک خیالی یا امکانی نفع پر ایک قطعی منافع کا مطالبہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اس تفسیر میں حرمت سود کی معاشی حکمت کے ساتھ ساتھ اخلاقی، نفسیاتی اور سماجی اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں چھٹی صدی ہجری میں اس طرح کے تجزیہ کا پایا جانا معاشی فکر کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

خاتمہ کلام

ہم اپنے مضمون کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ مذکورہ بالا اقتباسات کی حیثیت محض نمونہ کی ہے۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا اس مضمون میں بیسویں صدی کی تفاسیر کو شامل نہیں کیا گیا ہے جب کہ اس صدی میں لکھی جانے والی تفاسیر میں معاشی امور سے متعلق نسبتہً کچھ زیادہ مباحث پائے جاتے ہیں۔ متقدمین کی تمام تفاسیر کا بھی احصاء نہیں کیا گیا ہے۔ اور جن کتابوں کے حوالے اس مختصر مضمون میں دیئے گئے ہیں ان کا بھی بہت دقت نظر سے مطالعہ ممکن نہیں ہو سکا، واقعہ یہ ہے کہ یہ عنوان اتنا مہتم بالشان، وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اس پر مدتوں پوری یکسوئی اور دیدہ ریزی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ گذشتہ صفحات میں متفرق تفاسیر سے جستہ جستہ مثالیں دیکر اسلامی معاشیات کے طلبہ اور اہلِ تحقیق کی توجہ کو اس عظیم ذخیرہ کی طرف مبذول کرنے

کی ایک کوشش کی گئی ہے۔ خدا کرے یہ مضمون اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ اس نوع کی تحقیقات، انشاء اللہ، اسلامی معاشیات کی نظریہ سازی اور اسلامی معاشی پالیسی کی تیاری میں بہت مفید ثابت ہوں گی۔ و باللہ التوفیق۔

حواشی و تعلیقات

۱ اس طرح کے ایک تالیفی کام الکشاف الاقتصادی لآیات القرآن الکریم اعداد محی الدین عطیہ پر راقم کے تبصرہ کے لئے ملاحظہ ہو مجلہ علوم القرآن ۷/۲ صفحات ۱۲۸-۱۳۲۔

۲ انشاء اللہ اس پر ہم گفتگو اپنے زیر ترتیب مضمون "قرآن کا نظریہ پیداوار" میں کریں گے۔

۳ الرازی، محمد فخر الدین، التفسیر الکبیر، بیروت، دار الفکر ۱۳۹۸/۱۹۷۸ ج ۱، ص ۲۱۸

۴ ابن الجوزی، جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی۔ زاد المسیر فی علم التفسیر، دمشق، المکتب الاسلامی ۱۳۸۴/۱۹۶۴ ج ۲، ص ۳۹۵

۵ ابن کثیر، ابو الفدا، اسمٰعیل۔ تفسیر ابن کثیر۔ بیروت، دار المعرفہ، ۱۴۰۰/۱۹۸۰ ج ۱، ص ۷۰۵

۶ ایضاً جلد ۳، ص ۴۲۵ ۷ الرازی، التفسیر الکبیر ج ۶، ۴۵۱

۸ الماوردی، ابو الحسن علی بن حبیب۔ النکت والعیون، تفسیر الماوردی۔ تحقیق: خضر محمد خضر۔ الکویت وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ ۱۴۰۲/۱۹۸۲ ج ۳، ص ۲۶۹

۹ الرازی، تفسیر الکبیر ج ۷، ص ۲۰۱ ۱۰ ایضاً ج ۳ ص ۲۷۶

۱۱ ابن الجوزی۔ زاد المسیر ج ۷، ص ۴۰۸- ۲۷ ۱۲ الماوردی، النکت والعیون ج ۲، ص ۵۰۷

۱۳ الرازی۔ التفسیر الکبیر ج ۷ ص ۲۰ ۱۴ ابن الجوزی۔ زاد المسیر ج ۷، ص ۲۴

۱۵ القرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن، القاہرہ، وزارۃ الثقافہ ۱۳۷۸/۱۹۶۷ ج ۱۲، ص ۱۳ ۱۶ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۱۳

۱۷ ایضاً ج ۴، ص ۲۹۷ ۱۸ الرازی، التفسیر الکبیر ج ۵، ص ۷۷۴

۱۹ القرطبی ج ۲، ص ۱۳۴ ۲۰ الجوزی، زاد المسیر، ج ۶، ص ۲۱۵

۲۱ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۵۳۴ ۲۲ الماوردی، النکت والعیون ج ۱، ص ۲۵۰

۲۴ھ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج ا ص ۴۵۳ ۲۴ھ ایضاً ج ا ص ۴۵۷
۲۵۔ ابن الجوزی، زاد المسیر ج ۷، ص ۲۴۴ ۲۶ھ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۵۵۱
۲۷ھ الرازی، التفسیر الکبیر ج ۸، ص ۱۰۱ ۲۸ھ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج ۸، ص ۶۸
۲۹ھ الرازی، التفسیر الکبیر ج ۶، ص ۱۱۶ ۳۰ھ الماوردی، النکت والعیون ج ۲، ص ۱۴۸
۳۱ھ ابن الجوزی، زاد المسیر ج ا، ص ۳۳۶ ۳۲ھ الماوردی، النکت والعیون ج ا، ص ۲۸۸
۳۳ھ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج ۴، ص ۲۰۲۔ ۳۴ھ الرازی، التفسیر الکبیر ج ۲ ص ۳۵۲

ادارہ علوم القرآن کی تازہ پیش کش

صفحات ۳۲۰

قرآنی مقالات

قیمت عام ایڈیشن ۶۰/-
لائبریری ایڈیشن ۸۵/-

موقر رسالہ "الاصلاح" میں نصف صدی پیشتر شائع شدہ نایاب مقالات کا ایک نادر انتخاب

جس میں
- فلسفۂ نظم قرآن اور قرآن مجید کی ترجمانی کے اصول بتائے گئے ہیں۔
- بعض مشکل قرآنی آیات کی دل نشین تشریح کی گئی ہے۔
- بعض قرآنی مباحث پر اہم تحقیقاتی مضامین شامل ہیں۔
- اقسام القرآن کے سلسلہ میں افکار فراہی کی مدلل ترجمانی کی گئی ہے
- قرآنی تعلیمات: تقویٰ، خلوص اور مومن کی مطلوبہ صفات بیان کی گئی ہیں۔

ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲